© rasailojaraid.com

اقتباسات

التزامِ جماعت

مسلمانوں کے لیے ایک اور صرف ایک راہِ عمل

ماخوذ از "مسئلہ خلافت و جزیرۃ العرب" تالیف مولانا ابوالکلام آزاد

"ان صفحات میں کئی مہینہ سے مسلمانوں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ ان کے لیے جمعیت اور جماعت کے بغیر کوئی زندگی نہیں ہے اور یہ انفرادیت و انتشار کی زندگی جو وہ بسر کر رہے ہیں دراصل جاہلیت کی زندگی ہے جس کا انجام تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ جماعت کے بغیر وہ خواہ کسی طرف جائیں، انہیں کوئی کامیابی میسر نہیں آسکتی۔ اگر وہ اسلام سے ہٹ کر چلنا چاہتے ہیں تو جس جہنم کی طرف چاہیں چلے جائیں۔ لیکن اگر اسلام کا اتباع کرنا چاہتے ہیں تو اس کی تعلیم ہمیشہ سے یہی ہے اور ہمیشہ یہی رہے گی کہ سب کاموں سے پہلے ان کو جماعت بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اس باب میں ہمارا خیال تھا کہ اسلام کی تعلیمات کو تفصیل کے ساتھ پیش کریں۔ مگر یاد آیا کہ اس سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد سنہ ۱۹۲۰ء میں انہی تعلیمات کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکے ہیں، اور انہی کو دوبارہ شائع کر دینا ہمارے مقصد کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ ذیل میں اس تحریر کے ضروری اقتباسات درج کیے جاتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہر مسلمان اپنے دل کے دروازے کھول کر ان کو پڑھے۔ یہ دین اسلام کے محکمات ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن کی بنیادیں فطرت کے اٹل قوانین پر رکھی گئی ہیں۔ اشخاص بدل جاتے ہیں مگر حقائق اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔ جو چیز ہبوط آدم کے وقت حقیقت تھی وہی اب سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے حقیقت تھی اور ستر برس پہلے بھی اب بھی حقیقت ہے اور قیام قیامت تک حقیقت ہی رہے گی)۔

اجتماع و ائتلاف اور اشتات و انتشار: نہ صرف امت اسلامیہ بلکہ تمام اقوام عالم کی موت و حیات، ترقی و تنزل اور سعادت و شقاوت کے جو اصولی اسباب و مراتب قرآن حکیم نے بیان کیے ہیں۔ ان کی سب سے زیادہ اہم حقیقت انہی الفاظ کے اندر پوشیدہ ہے۔

اجتماع کے معنی ہیں ضم الشیٔ بتقریب بعضہ من بعض (مفردات امام راغبؒ ۹۵) یعنی مختلف چیزوں کا باہم اکٹھا ہو جانا۔

اور ائتلاف "الف" سے ہے اس کے معنی ہیں ما جمع من اجزاء مختلفۃ ورتب ترتیبا قدم فیہ ما حقہ ان یقدم واخر فیہ ما حقہ ان یوخر (مفردات: ۱۹) یعنی مختلف چیزوں کا اس تناسب اور ترتیب کے ساتھ اکٹھا ہو جانا کہ جس چیز کو جس جگہ ہونا چاہیے وہی جگہ اسے ملے جو پہلے ہونے کی حقدار ہے وہ پہلے رہے۔ جس کو آخری جگہ ملنی چاہیے وہ آخری جگہ پائے۔

پس اجتماع و ائتلاف سے مقصود وہ حالت ہے جب مختلف کارکن قوتیں کسی ایک مقام، ایک مرکز، ایک سلسلے، ایک وجود، ایک طاقت، اور ایک فرد واحد میں اپنی قدرتی اور مناسب ترکیب کے ساتھ اکٹھی ہو جاتی ہیں، اور تمام مواد، قویٰ، اعمال اور افراد پر ایک اجتماعی و انضمامی دور طاری ہو جاتا ہے، بحدیکہ ہر قوت اکٹھی، ہر عمل باہم گرجڑا اور ملا ہوا، ہر چیز بندھی اور سمٹی ہوئی، ہر فرد زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے متصل و متحد ہو جاتا ہے۔ کسی چیز، کسی گوشے، کسی عمل میں علیحدگی نظر نہیں آتی۔ جدائی۔ انتشار اور الگ الگ، جزجز، فرد فرد ہو کر رہنے والی حالت نہیں ہوتی۔

مادہ میں جب یہ اجتماع و انضمام پیدا ہو جاتا ہے تو اسی سے تخلیق و تکوین اور وجود و ہستی کے تمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مراتب ظہور میں آتے ہیں۔ اسی کو قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں مرتبۂ "تخلیق" و "تسویہ" سے بھی تعبیر کیا ہے! اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی۔ (۸۷ : ۲) پس زندگی اور وجود نہیں ہے مگر اجتماع و ائتلاف اور موت و فنا نہیں ہے مگر اس کی ضد ہے۔ یہی حالت جب افعال و اعمال پر طاری ہوتی ہے تو اخلاق کی زبان میں اس کو "خیر" اور شریعت کی زبان میں "عمل صالح" اور "حسنات" کہتے ہیں۔ جب جسم انسانی پر طاری ہوتی ہے تو طب کی اصطلاح میں "تندرستی" سے تعبیر کی جاتی ہے اور حکیم کہتا ہے یہ "زندگی" ہے۔ اور پھر یہی حالت ہے کہ جب قومی و جماعتی زندگی کی قوتوں اور عملوں پر طاری ہوتی ہے تو اس کا نام "حیات قومی و اجتماعی" ہوتا ہے۔ اور اس کا ظہور قومی اقبال و ترقی اور نفوذ و تسلط کی شکل میں دنیا دیکھتی ہے۔ الفاظ بہت سے ہیں معنی ایک ہے۔ مظاہر گو مختلف ہیں، مگر اس حکیم یگانہ و واحد کی ذات کی طرح اس کا قانون حیات و وجود بھی اس کائنات ہستی میں ایک ہی ہے؛ و لنعم ما قیل؛ —

عباراتنا شتی وحسنک واحد

وکل الی ذاک الجمال یشیر

اس حالت کی ضد "اشتات و انتشار" ہے۔ اشتات، شتت سے ہے جس کے معنی لغت میں "تفریق" اور الگ الگ ہوجانے کے ہیں۔ یقال شت جمعھم شتا و شتاتا و جاؤا اشتاتا ای متفرقی النظام (مفردات: ۲۵۶) قرآن حکیم میں ہے یَوْمَ یَصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا (۹۹ : ۶) اور مِنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی (۲۰ : ۵۳) اور وَقُلُوْبُهُمْ شَتّٰی (۵۹ : ۱۴) ای مختلفۃ۔

انتشار، نشر سے ہے اس کے معنی بھی الگ الگ ہو جانے کے ہیں۔ یعنی تفرق کے۔ سورۂ جمعہ میں ہے فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا۔ یعنی تفرقوا۔

اشتات و انتشار سے مقصود وہ حالت ہے جب اجتماع و ائتلاف کی جگہ الگ الگ ہوجانے

© rasailojaraid.com

متفرق و پراگندہ ہونے اور باہمدگر علیحدگی و بیگانگی کی حالت طاری ہو جائے۔ مواد میں، قوی میں، اعمال میں، افراد میں، ہر بات میں پہلی حالت سے بالکل متضاد حالت پیدا ہو جائے۔ یہ حالت جب مادہ پر طاری ہوتی ہے تو "تکوین" کی جگہ "فساد" اور "وجود" کی جگہ "عدم و فنا" کا اس پر اطلاق ہوتا ہے۔ جسم پر طاری ہوتی ہے تو اس کا نام پہلے "بیماری" اور پھر "موت" ہے۔ اعمال پر طاری ہوتی ہے تو اس کو قرآن حکیم اپنی اصطلاح میں "عمل سوء" اور "عصیان" سے تعبیر کرتا ہے۔ اور پھر یہی چیز ہے کہ جب قوموں اور امتوں کی اجتماعی زندگی پر طاری ہو جاتی ہے تو دنیا دیکھتی ہے کہ اقبال کی جگہ ادبار، عروج کی جگہ تنفل، ترقی کی جگہ تنزل، عظمت کی جگہ ذلت، حکومت کی جگہ محکومی، اور بالآخر زندگی کی جگہ موت اس پر چھا گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جا بجا "اجتماع و ائتلاف" کو قومی زندگی کی سب سے بڑی بنیاد اور اس لیے انسان کے لیے اللہ کی جانب سے سب سے بڑی رحمت و نعمت قرار دیا ہے اور اس کو "اعتصام بحبل اللہ" اور اسی طرح کی تعبیرات عظیمہ سے موسوم کیا ہے۔ مسلمانوں کے اولین مادۂ تکوین امت یعنی اہل عرب کو مخاطب کر کے اور پھر تمام عرب و عجم سے فرمایا:-

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۤءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا۔ (۳:۱۰۲)

سب مل جل کر اور پوری طرح اکٹھے ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو۔ سب اسی ایک حبل اللہ سے وابستہ ہوں۔ اللہ کا یہ احسان یاد کرو کہ کیسی عظیم الشان نعمت ہے جس سے تم سرفراز کیے گئے؟ تمہارا حال یہ تھا کہ بالکل بکھرے ہوئے اور ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اللہ نے تم سب کو باہم ملا دیا اور اکٹھا کر دیا۔ پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اب بھائی بھائی ہو گئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اشتات و انتشار کی زندگی کو بقا و قیام نہیں ہو سکتا۔ وہ ہلاکی کی ایک آگ ہے

© rasailojaraid.com

جس کے دھکتے ہوئے شعلوں کے اوپر کبھی قومی زندگی نشو و نما نہیں پا سکتی۔

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۔ (۳: ۱۰۳)

اور تمہارا حال یہ تھا کہ آگ کے دھکتے ہوئے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے پھر اللہ نے تمہیں بچا لیا۔ اللہ اپنے فضل و رحمت کی نشانیاں اسی طرح کھولتا ہے تاکہ کامیابی کی راہ پا لو۔

یہ بھی جابجا بتلا دیا کہ قوموں اور ملکوں میں اس اجتماع و ائتلاف کی صالح و حقیقی زندگی پیدا کر دینا محض انسانی تدبیر سے ممکن نہیں۔ دنیا میں کوئی انسانی تدبیر امت پیدا نہیں کر سکتی۔ یہ کام صرف اللہ ہی کی توفیق و رحمت اور اس کی وحی و تنزیل کا ہے کہ بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک بنا دے۔

وَلَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔ (۸: ۶۳)

اگر تم زمین کا سارا خزانہ بھی خرچ کر ڈالتے جب بھی ان بکھرے ہوئے دلوں کو محبت و اتحاد کے ساتھ جوڑ نہیں سکتے تھے۔ یہ اللہ ہی کا فضل ہے جس نے تفرق دلوں کو اکٹھا کر دیا۔

اور اسی لیے قرآن حکیم ظہور شریعت و نزول وحی کا پہلا نتیجہ یہ قرار دیتا ہے کہ اجتماع و ائتلاف پیدا ہو، اور بار بار کہتا ہے کہ تفرقہ و انتشار شریعت و وحی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ اور اسی لیے نتیجہ شریعت سے بغی و عدوان اور اس کو بالکل ترک کر دینے کا ہے فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ (۱۰: ۹۳) ۔ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (۴۵: ۱۶) وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ (۳: ۱۰۴)

اور اسی بنا پر شارع نے اسلام اور اسلامی زندگی کا دوسرا نام "جماعت" رکھا ہے اور جماعت سے علیحدگی کو "جاہلیت" اور "حیاۃ جاہلی" سے تعبیر کیا ہے، جیسا کہ آگے بالتفصیل آئے گا: مرفاق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الجماعۃ فمات، میتۃ جاھلیۃ[1]۔ وغیر ذالک۔ اور اسی بنا پر بکثرت وہ احادیث و آثار موجود ہیں جن میں نہایت شدت کے ساتھ ہر مسلمان کو ہر حال میں التزام جماعت اور اطاعت امیر کا حکم دیا گیا، اگرچہ امیر غیر مستحق ہو، نا اہل ہو، ظالم ہو، کوئی ہو، بشرطیکہ مسلمان ہو، اور نماز قائم رکھے (ما اقاموا الصلوٰۃ)۔ اور ساتھ ہی تبلا دیا گیا کہ جس شخص نے علیحدگی کی راہ اختیار کی تو اس نے اپنے تئیں شیطان کے حوالہ کر دیا یعنی گمراہی اور ٹھوکر اس کے لیے ضروری ہے۔ زنجیر کا توڑنا مشکل ہوتا ہے، لیکن کوئی کڑی زنجیر سے الگ ہوگئی ہو تو ایک چھوٹے سے حلقے کا حکم رکھتی ہے جس کو انگوٹھے سے مسل دیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ اپنے خطبوں میں بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے علیکم بالجماعۃ فان الشیطان مع الفذ وھو من الاثنین ابعد۔ دوسری روایت میں ہے فان الشیطان مع الواحد۔ یعنی جماعت سے الگ نہ ہو۔ ہمیشہ جماعت بن کر رہو۔ کیونکہ جب کوئی تنہا اور الگ ہوا تو شیطان اس کا ساتھی ہوگیا۔ دو انسان بھی مل کر رہیں تو شیطان ان سے دور ہے یعنی اتحادی و جماعتی قوت ان میں پیدا ہوگئی اب وہ راہ حق سے نہیں بھٹک سکتے۔ یہ الفاظ مشہور خطبۂ جابیہ کے ہیں جو عبداللہ بن دینار، عامر بن سعد، سلیمان بن یسار وغیرہم سے مروی ہے اور بیہقی نے امام شافعی کے طریق سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اجماع کے اثبات میں اسی روایت سے استدلال کیا۔ اسی طرح حدیث متواتر بالمعنی علیکم بالسواد الاعظم[2] اور فانہ من شذ شذ فی النار[3] اور ید اللہ علی الجماعۃ[4] اور لا یجمع اللہ امتی علی الضلالۃ[5] او کما قال۔ اور خطبۂ حضرت امیر کہ ایاکم والتفرقۃ

[1] جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوگیا اور اسی حال میں مرگیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔

[2] تم پر لازم ہے کہ قوم کے سواد اعظم کا ساتھ دو۔

[3] جو جماعت سے چھٹ کر الگ ہوگیا اس نے دوزخ کی راہ لی۔

[4] اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

[5] اللہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَاِنَّ الشَّاذَّ مِنَ النَّاسِ لِلشَّیْطَانِ کَمَا اَنَّ الشَّاذَّ مِنَ الْغَنَمِ لِلذِّئْبِ ۔ اَلَا مَنْ دَعَا اِلٰی ھٰذَا الشِّعَارِ فَاقْتُلُوْہُ وَلَوْ کَانَ تَحْتَ عِمَامَتِیْ ھٰذِہٖ، وغیر ذالک احادیث مشہور و معلوم ہیں۔ آخری قول دیگر روایات میں بطریق مرفوع بھی منقول ہے۔ خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ ہمیشہ جماعت کے ساتھ رہو۔ جو جماعت سے الگ ہوا اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ افراد تباہ ہو سکتے ہیں مگر ایک صالح جماعت کبھی تباہ نہیں ہو سکتی۔ اس پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اللہ کبھی ایسا نہ ہونے دیگا کہ پوری امت گمراہی پر جمع ہو جائے۔

اسی طرح نماز کی جماعت کی نسبت ہر حال میں التزام پر زور دینا اور اگر چہ امام نا اہل ہو لیکن پھر بھی قیام اہل کے ساتھ التزام جماعت کو بھی جاری رکھنا حتی کہ صَلُّوْا خَلْفَ کُلِّ بَرٍّ وَّ فَاجِرٍ[2] تو اس میں بھی یہی حقیقت مضمر ہے کہ زندگی جماعتی زندگی ہے۔ انفراد و فرقت ہر حال میں بربادی و ہلاکت ہے پس جماعت سے ہر حال میں باہر نہ ہونا چاہیے۔

اور یہی سبب ہے کہ سورۂ فاتحہ میں جو قومی دعا مسلمانوں کو سکھائی گئی، اس میں متکلم واحد نہیں ہے بلکہ جمع، حالانکہ وہ دعا فرداً فرداً ہر مومن کی زبان سے نکلنے والی تھی۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ فرمایا، اھدنی نہیں کہا گیا۔ یہ اسی لیے ہے کہ قرآن کے نزدیک فرد اور فرد کی ہستی کوئی شے نہیں ہے ہستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے اور فرد کا وجود اور اعمال بھی صرف اسی لیے ہیں تاکہ ان کے اجتماع و تالیف سے ہیئت اجتماعیہ پیدا ہو۔ اسی لیے اس دعا میں کہ حاصل ایمان و خلاصۂ قرآن و عصارۂ اسلام ہے، متکلم جمع کا صیغہ آیا نہ کہ واحد کا۔ اور اسی لیے مسلمانوں کی باہمی ملاقات کے وقت

[1] خبردار پراگندہ و متفرق نہ ہو جانا۔ اس لیے کہ جماعت سے الگ اکیلا انسان شیطان کا حصہ ہے جس طرح ریوڑ سے الگ اکیلی بکری بھیڑیے کا حصہ ہے۔ جو شخص اس شعار کی دعوت دے اس کو قتل کر دو خواہ وہ میرے اس عمامہ کے نیچے ہی کیوں نہ ہو۔

[2] ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھ لو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو امتیازی دعا سکھلائی گئی، وہ بھی بہ صیغۂ جمع آئی، اگرچہ مخاطب واحد ہو یعنی "السلام علیکم"، السلام علیک نہیں قرار دیا گیا۔ اسی طرح نماز سے باہر آنے کے لیے بھی السلام علیکم بصیغۂ جمع رکھا گیا واحد کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا۔ علت اس کی یہی ہے، نہ وہ جو لوگوں نے سمجھی۔

اور اسی بنا پر احکام و اعمال شریعت کے ہر گوشہ اور ہر شاخ میں یہی اجتماعی و ائتلافی حقیقت بطور اصل و اساس کے نظر آتی ہے۔ نماز کی جماعت خمسہ اور جمعہ و عیدین کا حال ظاہر ہے۔ حج بجز اجتماع کے اور کچھ نہیں۔ زکوٰۃ کی بنیاد ہی اجتماعی زندگی کا قیام اور ہر فرد کے مال و اندوختہ میں جماعت کا ایک حصہ قرار دینا ہے علاوہ بریں اس کی ادائگی کا قیام بھی انفرادی حیثیت سے نہیں رکھا گیا بلکہ جماعتی حیثیت سے یعنی ہر فرد کو اپنی زکوٰۃ خود خرچ کر دینے کا اختیار نہیں دیا گیا جیسا کہ بدقسمتی سے آج مسلمان کر رہے ہیں اور جو صریح غیر شرعی طریقہ ہے، بلکہ مصارف زکوٰۃ متعین کر کے حکم دیا گیا کہ ہر شخص اپنی زکوٰۃ کی رقم امام و خلیفۂ وقت کے سپرد کر دے۔ پس اس کے خرچ کی بھی اصلی صورت جماعتی ہے نہ کہ انفرادی۔ یہ امام کا کام ہے کہ اس کا مصرف تجویز کرے اور مصارف منصوصہ میں سے جو مصرف زیادہ ضروری ہو، اسی کو ترجیح دے۔ ہندوستان میں اگر امام کا وجود ضروری نہ تھا تو جس طرح جمعہ، عیدین وغیرہ کا انتظام عذر کی بنا پر کیا گیا، زکوٰۃ کا بھی کرنا تھا۔

اور پھر یہ حقیقت کس قدر واضح ہو جاتی ہے جب ان تمام مشہور احادیث پر غور کیا جائے جن میں مسلمانوں کی متحدہ قومیت[1] کی تصویر کھینچی گئی ہے، مثل المومنین فی توادھم وتعاطفھم

[1] مسلمانوں کی یہی متحدہ قومیت ہے جس کی جڑیں آج کاٹی جا رہی ہیں، مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ "مسلم قوم کا تخیل تو صرف چند لوگوں کی من گھڑت اور محض پرواز خیال ہے۔ اگر اخبارات اس کی اس قدر اشاعت نہ کرتے تو بہت کم لوگ اس سے واقف ہوتے" (ملاحظہ ہو پنڈت جواہر لال نہرو کی خود نوشت سوانح حیات۔ ترجمہ اردو۔ جلد دوم ۳۳۲) ان کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ تمہاری کوئی مستقل تہذیب ہی نہیں ہے، محض ڈاڑھی اور پیجامہ اور ٹونٹی دار لوٹا تمہاری تہذیب کی ایک مسلّمی علامت ہے اور یہ امتیاز بھی اب مٹنے کو ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۳۳۵) یہ صرف ایک

© rasailojaraid.com

ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰۸

© rasailojaraid.com

مثل الجسد الواحد اذا اشتکی منه عضو تداعی له سائر الجسد بالسهر والحمی (صحیحین)، اور المسلم للمسلم کالبنیان یشد بعضه بعضاً (بخاری) یعنی مسلمانوں کی قومیت ایسی ہے جیسی ایک جسم اور اس کے مختلف اعضا۔ ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم محسوس کرتا ہے، اور اس کی بے چینی اور تکلیف میں اسی طرح حصہ لیتا ہے جیسے خود اس کے اندر درد اٹھ رہا ہو۔ اور ان کی مثال دیوار کی سی ہے۔ ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سہارا پاتی ہے اور سہارا دیتی ہے۔ پھر تشبیک اصابع کرکے اس کی تصویر بتا دی، یعنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں رکھ کر دکھلا دیا کہ اس طرح ایک دوسرے سے جڑا ہوا اور متصل۔ سو ان تمام تصریحات میں بھی اسی حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اسلام کی قومیت متفرق اینٹوں کا نام نہیں ہے۔ دیوار کا نام ہے۔ الگ الگ اینٹ کا کوئی مستقل وجود نہیں۔ ہے تو اجتماعی وجود ہے یعنی دیوار کا ایک جز ہے اور انہی اجزا کے ملنے سے دیوار متشکل ہوتی ہے۔[له]

اور یاد رہے کہ یہ جو نماز میں تسویہ صفوف پر سخت زور دیا گیا، یعنی صف بندی پر، اور سب

تکملہ صفحہ ۱۲۷ فرد کے خیالات نہیں ہیں بلکہ ایک پوری جماعت مسلمانوں کے دماغوں سے متحدہ اسلامی قومیت کا تخیل نکال دینے کے لیے باقاعدہ تبلیغ کر رہی ہے اور خود مسلمانوں کے بعض افراد سے یہ کام لیا جا رہا ہے (ملاحظہ ہو ڈاکٹر اشرف کے وہ مضامین جو اسلامی اخبارات میں دھڑلے کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں) اور حیرت یہ ہے کہ جو لوگ ہماری متحدہ قومیت کے سب سے بڑے علمبردار تھے وہ آج اسی جماعت کے شریک کار ہیں جو اس قومیت کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکنا چاہتی ہے ان کی آنکھوں کے سامنے یہ استیصال کا عمل ہو رہا ہے اور وہ خاموش ہیں، صرف خاموش ہی نہیں بلکہ اپنی شرکت سے اس عمل کی توثیق کر رہے ہیں، صرف توثیق پر بھی اکتفا نہیں کرتے بلکہ مسلمانوں کو دعوت دے رہے ہیں کہ فرد فرد بن کر اسی جماعت میں شامل ہو جائیں جو ایک ہاتھ سے برطانوی امپیریلزم پر حملہ کرتی ہے تو اس کے ساتھ ہی ساتھ دوسرے ہاتھ سے اسلامی قومیت کی جڑوں پر بھی کلہاڑی مارتی ہے۔ کاش اب بھی ہمیں بتایا جاتا کہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ میں اس طرز عمل کے لیے کونسی سند ہے۔ ترجمان القرآن

له عمارت اسلامی کی یہ اینٹیں اس وقت متفرق ہیں۔ ایک جماعت چاہتی ہے کہ ان اینٹوں کو غیر مسلم اینٹوں کے

© rasailojaraid.com

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۹

© rasailojaraid.com

کے سروں سینوں اور پاؤں کے ایک سیدھ میں ہونے پر "لتسون صفوفکم او لیخالفن اللہ بین وجوھکم (بخاری) اور روایت انس کہ سووا صفوفکم فان تسویۃ الصفوف من اقامۃ الصلوٰۃ (بخاری) وفی لفظ تمام الصلوٰۃ، تو اس میں بھی یہی بھید ہے اور تشریح کا یہ موقع نہیں۔

(مسئلہ خلافت وجزیرۃ العرب طبع ثانی ص ۳ تا ۱۴)

مرکزیت اور التزام جماعت کائنات کے ہر حصہ اور ہر گوشہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی قدرت وسنت ایک خاص نظام پر کار فرما ہے جس کو "قانون مرکز" یا "قانون دوائر" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے یعنی قدرت نے خلقت ونظام خلقت کے بقا وقیام کے لیے ہر جگہ اور ہر شاخِ وجود میں یہ صورت اختیار کر رکھی ہے کہ کوئی ایک وجود تو بمنزلہ مرکز کے ہوتا ہے، اور بقیہ اجسام ایک دائرہ کی شکل میں اس کے چاروں طرف وجود پاتے ہیں اور پورے دائرہ کی زندگی اور بقا صرف اسی مرکزی وجود کی زندگی اور بقا پر موقوف ہوتی ہے۔ اگر ایک چشم زدن کے لیے بھی دائرے کے اجسام اپنے مرکز سے الگ ہو جائیں یا مرکز کی اطاعت وانقیاد سے باہر ہو جائیں تو معاً نظام ہستی درہم برہم ہو جائے اور دائرے کی اکیلی ہستیاں مرکز سے الگ رہ کر کبھی قائم وباقی نہ رہ سکیں یہی وہ حقیقت ہے جس کو بعض اصحاب اشارات نے یوں تعبیر کیا کہ الحقیقۃ کالکرۃ اور صاحب فتوحات نے کہا کہ "دائرہ قاب قوسین" ہے۔

یہ قانون مرکزیت ودوائر نظام ہستی کے ہر جز اور ہر حصہ میں صاف صاف دیکھا جا سکتا ہے۔

بقیہ حاشیہ ص ۱۲۸ اس کے مقابلہ میں ہم چاہتے ہیں کہ ان اینٹوں کو اسلامی جمعیت کے مسالے سے جوڑ کر ایک دیوار بنا دیا جائے پھر یہ دیوار کی دیوار اپنی اجتماعی ہیئت میں وطنی عمارت کا ایک متعقل جز بن سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا مسلمان جو کتاب وسنت کی ان تصریحات سے اور اس واضح شدہ حقیقت سے واقف ہے، اس کو ان دونوں طریقوں میں سے کس کا ساتھ دینا چاہیے (ترجمان القرآن)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ نظام شمسی جو ہمارے اوپر ہے، ستاروں کی یہ گنجان آبادی، کروں کا یہ صحرائے بے کنار، زندگی اور حرکت کا یہ محیّر العقول طلسم کیا ہے؟ کس نظام پر یہ پورا کارخانہ چل رہا ہے؟ اسی قانون مرکزیت پر۔ متحرک سیاروں کے حلقے اور دائرے ہیں، ہر دائرہ کا نقطۂ حیات و بقا سورج کا مرکزی نقطہ ہے۔ تمام ستارے اپنے اپنے کعبۂ مرکز کا طواف کر رہے ہیں، اور ہر دائرہ کی ساری زندگی اور بقا صرف مرکزِ شمسی کی اطاعت و انقیاد پر موقوف ہے: ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔ خود ہماری زمین بھی ایک ایسے ہی دائرے کی ایک کڑی ہے اور شب و روز اپنے مرکز کے طواف و انقیاد میں مشغول ہے۔ ہر ستارے کے طواف و دوران کے لیے حکمتِ الٰہی نے ایک خاص راہ اور ایک خاص زمانہ قرار دے دیا ہے۔ وہ اس سے باہر نہیں جا سکتا۔ سب بحکم وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ (۲۲: ۱۹) خدا کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق اپنی اپنی جگہوں میں کام کر رہے ہیں۔ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (۳۶: ۴۱)۔

قانون مرکزیت کا یہ پہلا اور بلند ترین نظارہ تھا۔ اب اس کے بعد جس قدر نیچے اترتے آئیں گے اور حرکت و حیات کی بلندیوں سے لیکر زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے گوشوں تک نظر ڈالیں گے، ہر جگہ زندگی اور بقا اسی قانون سے وابستہ نظر آئے گی۔ عالم نباتات میں درخت کو دیکھو۔ اس کی مجتمعہ وحدت کتنی وسیع کثرت سے مرکب ہے؟ ڈالیاں ہیں۔ شاخیں ہیں، پتے ہیں، پھول ہیں۔ لیکن سب کی زندگی ایک ہی مرکز یعنی جڑ سے وابستہ ہے۔ جڑ سے جہاں کوئی شاخ الگ ہوئی موت و فنا اس پر طاری ہو گئی۔ آفاق کو چھوڑ کر عالم انفس کی طرف آؤ۔ خود اپنے وجود کو دیکھو جسے دیکھنے کے لیے نظر اٹھانے کی بھی ضرورت نہیں۔ تمہارا وجود کتنے مختلف ظاہری و باطنی اعضا سے مرکب ہے؟ جسموں اور وجودوں کی ایک پوری بستی ہے جو تم میں آباد ہے۔ ہر جسم کا ایک فعل ہے اور ایک خاصہ۔ لیکن دیکھو! یہ ساری آبادی کس طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک ہی مرکز کے آگے سر بسجود ہے؟ سب کی حیات کا مرکز صرف قلب ہے۔ اس سے الگ رہ کر ایک عضو بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَتِ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ (بخاری)۔

اسلام فی الحقیقت سنۃ اللہ اور فطرۃ اللہ ہی کا دوسرا نام ہے۔ اگر نوع انسانی کی سعادت وارتقار کے لیے قانون اسلام اسی فاطر السموٰت والارض کا بنایا ہوا ہے جس نے تمام کائنات کیلیے قانون حیات بنایا، تو ضرور ہے کہ دونوں میں اختلاف نہ ہو بلکہ پہلا قانون پچھلے قانونِ عام کا ایک ایسا قدرتی جزو نظر آئے جیسے زنجیر کی ایک کڑی۔ پس اسلام کا نظام شرعی بھی ٹھیک ٹھیک اسی قانون مرکزیت پر قائم ہوا۔ قرآن نے یہ حقیقت جابجا واضح کی ہے کہ جس طرح اجسام و اشیار کی زندگی اپنے اپنے مرکزوں سے وابستہ ہے، اسی طرح نوع انسانی اور اس کی جماعت وافراد کا جسمانی ومعنوی بقار بھی قانون مرکزیت پر موقوف ہے۔ جس طرح ستاروں کی زندگی اور حرکت کا مرکز و محور سورج کا وجود ہے، اسی طرح نوع انسانی کا بھی مرکز سعادت انبیار کرام کا وجود ہے۔ پس ان کی اطاعت و انقیاد بقار وحیات کے لیے ناگزیر ٹھیری۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۴ : ۶۸) دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ اور اسی لیے فرمایا۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (۴ : ۶۹) اور لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ پھر قوم وملت کے بقار کے لیے ہر طرح کے دائرے اور ہر طرح کے مرکز قرار دیے۔ اعتقاد میں اصلی مرکز عقیدۂ توحید کو ٹھیرایا جس کے گرد تمام عقائد کا دائرہ قائم ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (۴ : ۵۲)۔ عبادات میں نماز کو مرکز عمل ٹھیرایا جس کے ترک کر دینے کے بعد تمام دائرۂ عمل منہدم ہو جاتا ہے فَمَنْ اَقَامَهَا اَقَامَ الدِّيْنَ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّيْنَ۔ اور اسی لیے یہ بات ہے کہ کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلعم لَا یَرَوْنَ شَیْئًا مِنَ الْاَعْمَالِ تَرْکُهٗ کُفْرٌ غَیْرَ الصَّلٰوۃِ (ترمذی) یعنی صحابہ کرام کسی عمل کے ترک کر دینے کو کفر نہیں سمجھتے تھے مگر نماز کے ترک کو۔ اسی طرح تمام قوموں اور ملکوں کا ارضی مرکز سعادت وادیِ حجاز کا کعبۃ اللہ قرار پایا جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ "قیاماً للناس" پر غور کرو۔ چونکہ یہ مرکز ٹھیرا اس لیے تمام دائرے کا رخ بھی اسی طرف ہوا، خواہ دنیا کی کسی جہت میں مسلمان ہوں، لیکن ان کا منہ اسی طرف ہونا چاہیے: وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (۲: ۱۴۵)۔

پھر جس طرح شخصی اور اعتقادی وعملی زندگی کے لیے مرکز قرار پائے، ضرور تھا کہ جماعتی اور ملی زندگی کے لیے بھی ایک مرکزی وجود قرار پاتا، لہذا وہ مرکزی وجود بھی قرار دیا گیا۔ تمام ملت کو اس مرکز کے گرد بطور دائرے کے ٹھیرایا۔ اس کی معیت، اس کی رفاقت، اس کی اطاعت، اس کی حرکت پر حرکت اسکے سکون پر سکون، اس کی طلب پر لبیک، اس کی دعوت پر انفاق جان و مال ہر مسلمان پر فرض کر دیا گیا۔ ایسا فرض جس کے بغیر وہ جاہلیت کی ظلمت سے نکل کر اسلامی زندگی کی روشنی میں نہیں آ سکتا۔ اسلام کی اصطلاح میں اسی قومی مرکز کا نام "خلیفہ" اور امام ہے اور جب تک یہ مرکز اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا ہے یعنی کتاب و سنت کے مطابق اس کا حکم ہے، ہر مسلمان پر اس کی اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح خود اللہ اور اس کے رسول کی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (۴: ۶۳)۔

مسلمانو! اطاعت کرو اللہ کی، اس کے رسول کی اور تم میں جو اولو الامر ہو اس کی۔ پھر اگر کسی معاملہ میں تم مختلف ہو جاؤ تو چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹو اور اس کے فیصلہ پر متفق ہو جاؤ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت میں بالترتیب تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ کی، رسول کی، مسلمانوں میں جو اولوالامر ہو اس کی۔ اللہ کی اطاعت کتاب اللہ کی اطاعت ہے۔ رسول کی اطاعت سے مقصود سنت قولی و فعلی ہے۔ باقی رہی اطاعت اولوالامر تو نہایت قوی و روشن وجوہ موجود ہیں کہ اولوالامر سے مقصود مسلمانوں کا خلیفہ و امام ہے جو کتاب و سنت کے احکام نافذ کرنے والا، نظام امت قائم رکھنے والا اور تمام اجتہادی امور میں صاحب حکم و سلطان ہے[۱]۔

(حوالہ مذکور۔ صفحہ ۱۹ تا ۲۲)

اسلام کا نظام عمل

احادیث صحیحہ سے اس کی مزید توضیح ہوتی ہے اس بارہ میں اس کثرت کے ساتھ حدیثیں موجود ہیں، اور عہد صحابہ سے لے کر عہد تدوین کتب تک مختلف طبقات رواۃ و حفاظ میں اس قدر ان کی شہرت رہ چکی ہے کہ اسلام کے عقیدۂ توحید و رسالت کے بعد شاید ہی کوئی اور چیز اس درجہ تواتر و یقین تک پہنچی ہوگی۔

سب سے پہلے میں مسند امام احمد وغیرہ کی ایک روایت نقل کروں گا جس میں بالترتیب اسلام کا نظام عمل بیان کیا گیا ہے۔

---

[۱] مولانا نے اس باب میں جس چیز کو بیان فرمایا ہے وہ ان کی ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ فطرۃ اللہ اور سنت الٰہی ہے۔ ذاتی رائے ضرور بدل سکتی ہے، مگر سنت اللہ اور وہ فطرت جس پر اللہ نے نظام کائنات اور نظام اسلامی کی بنیاد رکھی ہے ایک محکم چیز ہے جس میں تبدیل و تحویل کسی طرح ممکن نہیں فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا۔ اس اٹل قانون کی رو سے امت مسلمہ کے لیے موت کی طرف پہلا قدم یہ ہے کہ ان میں لامرکزیت پیدا ہو اور اس نظام شمسی کے تمام تارے بکھر جائیں۔ اور آخری قدم یہ ہے کہ وہ اسلامی نظام شمسی کے بجائے کسی اور نظام شمسی سے وابستہ ہو جائیں، کسی اور مرکز کے گرد گھومنے لگیں۔ پہلے مرحلہ میں ہندوستان کی امت مسلمہ اس وقت ہے، اور دوسرے مرحلے کی طرف اب اس کو لایا جا رہا ہے جس کے انجام سے وہ لوگ ناواقف نہیں ہو سکتے جو اس قانون فطرت سے واقف ہیں، فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ۔ ترجمان القرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قَالَ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم انا امرکم بخمسٍ اللّٰہ امرنی بھن: الجماعۃ والسمع والطاعۃ والھجرۃ والجھاد فی سبیل اللّٰہِ۔ فانہٗ من خرج من الجماعۃ قید شبرٍ فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہٖ الا ان یراجع، ومن دعا بدعوی جاھلیۃ فھو من جثی جھنم۔ قالوا یارسول اللّٰہ وان صام وان صلّٰی قال وان صلّٰی وصام وزعم انہ مسلم (اخرجہ احمد والحاکم من حدیث الحارث الاشعری علی شرط الصحیحین قال ابن کثیر ھذا حدیث حسن ولہ شواھد)۔

یعنی فرمایا میں تم کو پانچ باتوں کے لیے حکم دیتا ہوں جنکا حکم اللہ نے مجھے دیا ہے۔ جماعت، سمع، طاعت، ہجرت، اور اللہ کی راہ میں جہاد۔ یقین کرو کہ جو مسلمان جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر ہوا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا۔ اور جس نے اسلام کی جماعتی زندگی کی جگہ جاہلیت کی بیقیدی کی طرف بلایا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ایسا شخص جہنمی ہوگا اگرچہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو؟ فرمایا ہاں اگرچہ نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو اور اپنے زعم میں اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو۔

شرح حدیث حارث اشعری | اس حدیث میں پانچ باتیں تبلائی گئی ہیں۔

(۱) پہلی چیز "جماعت" ہے، یعنی تمام امت کو ایک خلیفہ و امام پر جمع ہو کر اور اپنے مرکز قومی سے جڑ کے رہنا چاہیے۔ الگ الگ نہیں رہنا چاہیے۔ آگے چلکر کثرت کے ساتھ وہ حدیثیں ملیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ جماعت سے الگ ہو کر رہنے کو یا ایسی منتشر زندگی کو جو ایک بندھی سمٹی ہوئی جماعت کی شکل نہ رکھتی ہو اور کسی امیر کے تابع نہ ہو، اسلام نے غیر اسلامی اور ابلیسی راہ قرار دیا ہے، انفرادی زندگی کو وہ زندگی ہی نہیں مانتا۔ اسلامی زندگی "جماعت" ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"جماعت" سے مقصود افراد کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں اتحاد، ائتلاف، امتزاج اور نظم ہو۔

اتحاد سے مقصود یہ ہے کہ اپنے اعمالِ حیات میں منتشر نہ ہوں۔ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں اور ان کے تمام اعمال مل جل کر انجام پائیں۔ کسی گوشۂ عمل میں بھی پھوٹ اور بیگانگی نہ ہو۔

"ائتلاف کا مرتبہ "اتحاد" سے بلند تر ہے۔ اتحاد صرف باہم مل جانا ہے۔ ضرور نہیں کہ کسی تناسب کے ساتھ ترکیب ہوئی ہو۔ لیکن ائتلاف سے مقصود ایسا اتحاد ہے جو محض اتحاد ہی نہ ہو بلکہ ایک صحیح و مناسب ترکیب کے ساتھ اتحاد ہو۔ یعنی منتشر افراد اس طرح باہم ملے ہوں کہ جس فرد کو اس کی صلاحیت و قوت کے مطابق جو جگہ ملنی چاہیے وہی اس کی جگہ ہو ....

"امتزاج" ترکیب کا تیسرا مرتبہ ہے۔ اس میں کمیت سے زیادہ کیفیت کا اتحاد ہونا چاہیے یعنی مختلف افراد کو باہم اس طرح ملایا جائے کہ جس فرد کا اجتماعی مزاج جس قسم کے مزاج کے ساتھ مل کر ایک متحدہ کیفیت حاصل کر سکتا ہے ویسا ہی مزاج اس کے ساتھ ملایا جائے ...... فرد بجائے خود کوئی کامل وجود نہیں رکھتا۔ محض ایک ٹکڑا ہے، اور جب تک اپنے بقیہ ٹکڑوں سے نہ مل جائے، کامل وجود نہیں پا سکتا۔ لیکن یہ باہم ملنا "امتزاج" کے ساتھ ہونا چاہیے تاکہ ہر ٹکڑا اپنے صحیح و مناسب ٹکڑے کے ساتھ مل کر اس طرح جڑ جائے کہ معلوم ہو یہ نگینہ اسی انگشتری کے لئے تھا۔

"نظم" سے مقصود جماعت کی وہ ترتیبی و تقویمی حالت ہے جب اس کے تمام افراد اپنی اپنی جگہوں میں قائم، اپنے اپنے دائرہ میں محدود، اور اپنے اپنے فرائض و اعمال کے انجام دینے میں سرگرم ہوں۔

اجتماع کے یہ خواص و اوصاف نہ تو حاصل ہو سکتے ہیں، نہ قائم رہ سکتے ہیں، جب تک کوئی بالاتر فعال و مدبر طاقت وجود میں نہ آئے۔ اور وہ منتشر افراد کو ایک متحد، موتلف، ممزوج اور منظم جماعت کی شکل میں قائم نہ رکھے۔ پس ایک "امام" کا وجود ناگزیر ہوا، اور اسی لیے ضروری ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ سب سے پہلے تمام افراد ایک ایسے وجود کو اپنا امام و مطاع تسلیم کرلیں جو بکھرے ہوئے اجزا کو اتحاد و ائتلاف اور امتزاج و نظم کے ساتھ جوڑ دینے اور اڑتے ہوئے ذروں سے ایک حی و قائم جماعتی وجود پیدا کر دینے کی قابلیت رکھتا ہو۔ ..... مسلمانوں کے کسی چھوٹے سے چھوٹے گروہ کے لیے بھی شرعاً جائز نہیں کہ بلا قیام امام کے زندگی بسر کریں۔ حتیٰ کہ اگر صرف تین مسلمان بھی ہوں تو چاہیے کہ ایک ان میں سے امام تسلیم کر لیا جائے۔ اذا کان ثلثة فی سفر فلیومروا احدھم.....

(۲) دوسری چیز "السمع" ہے، یعنی امام جو احکام دے، اس کو سننا اور اس سے تعلیم و ارشاد حاصل کرنا۔ سمع کے لفظ میں قبولیت احکام اور طلب تعلیم دونوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور امام کی معلمانہ حیثیت کو نمایاں کیا ہے۔

(۳) تیسری چیز "طاعت" ہے یعنی امام کی کامل درجہ اطاعت و فرمانبرداری اور اپنی تمام عملی قوتوں کو اس کے سپرد کر دینا اور اس کے ہر حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کرنا۔ البتہ اطاعت معروف میں ہے نہ کہ معصیت میں کہ انما الطاعة فی المعروف۔

(۴) چوتھی بات "ہجرت" ہے۔ ہجرت "ہجر" سے ہے جس کے معنی ترک کر دینے کے ہیں۔ الھجر والھجران مفارقة الانسان غیرہ اما بالبدن او باللسان او بالقلب۔ والمھاجرة مصارمة الغیر ومتارکتہ (مفردات امام راغب: ۵۵۸)۔ اسلام کی اصطلاح میں جب کبھی کوئی فرد یا جماعت، سعادت و صداقت کے کسی مقصد اعلیٰ کے لیے اپنے دنیوی محبوبات و مالوفات ترک کر دے، مثلاً دولت کو، آرام و راحت کو، عزیز و اقربا کے قرب کو، وطن و مکان کو، تو اس کا نام ہجرت الی اللہ اور ذہاب الی اللہ ہے۔ خدا کے ہر رسول اور اس کے پیروؤں کو قیام حق کی راہ میں یہ منزل طے کرنی پڑی۔ اِنِّیْ مُھَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ اور اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ۔ .....

(۵) پانچویں چیز "جہاد فی سبیل اللہ" ہے۔ جہاد "جہد" سے ہے جس کے معنی ہیں استفراغ الوسع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فی مدافعۃ العدو ظاھراً و باطناً (مفردات) یعنی دشمن اور دشمن کی تمام قوتوں کو دور کرنے اور اپنے کو قائم و باقی رکھنے کے لیے انتہا درجہ کی کوشش کرنا۔ یہ کوشش زبان سے بھی ہوتی ہے، مال سے بھی ہوتی ہے، جان سے بھی ہوتی ہے۔ جس قسم کی کوشش کی ضرورت ہو، ہر قسم جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ وجاھدوا المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم (رواہ ابوداؤد واحمد ونسائی وابن حبان عن انس)۔

یہ کہنا ضروری نہیں کہ یہی پانچ چیزیں دنیا میں قوموں اور ملکوں کے بقاء و قیام کی اصلی بنیادیں ہیں۔ دنیا میں کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی جس کی قومی ہستی ان پانچ عنصروں سے مرکب نہ ہو۔ سعی و عمل کا کوئی گوشہ ہو، کامیابی بغیر ان اصول خمسہ کے نہیں مل سکتی۔ تم مٹھی بھر گیہوں کے طالب ہو یا قطب شمالی کی تحقیق کے، مگر کوئی چیز بھی بغیر "جماعت"، "اطاعت"، "ہجرت"، اور "جہاد" کے حاصل نہیں ہو سکے گی۔ دنیا نے آج تک جو کچھ پایا ہے، غور کرو گے تو وہ سب انہی پانچ سچائیوں کے ثمرات و نتائج ہیں.......۔ دنیا کی کوئی صالح جماعت ایسی نہیں ہے جس نے ان سے الگ رہ کر کامیابی حاصل کی ہو۔ ہر عقل نے ان کا اقرار کیا ہے، ہر دل میں ان کا اعتقاد موجود ہے، اور عامل جماعت شب و روز ان پر عمل کر رہی ہے۔ البتہ ناموں کے اختلاف نے ساری الجھن ڈال دی ہے۔ اسلام نے جن ناموں سے ان کو تعبیر کیا ہے ان سے دنیا کو اختلاف ہے، لیکن اسلام جن حقیقتوں کو پیش کرتا ہے، ان سے دنیا اختلاف نہیں کر سکتی۔ اگر کرے تو زندگی اور مراد سے محروم ہو جائے۔

اس نظام میں پہلی چیز جماعت ہے جس کی مختصر تشریح اوپر گذر چکی۔ غور کرو! دنیا کا کونسا کام ایسا ہے جس کو بلا اجتماع و جماعت کے انجام دیا جا سکتا ہے۔ جماعت کی زیادہ دقیق اور فلسفیانہ تعریف چھوڑ دو، صاف اور سیدھے سادھے معنی جو ہو سکتے ہیں، صرف انہی پر غور کر لو۔ سوسائٹی، پارٹی، کمیٹی، کلب، انجمن، کانفرنس، پارلیمنٹ، ملکہ قوم، ملک، فوج، ان سب سے مقصود کیا ہے؟ یہی کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"جماعت" اور "التزام جماعت"۔ وحشی قوموں تک کو دیکھتے ہو کہ جنگل کے درختوں کے نیچے اکٹھے ہو جاتے ہیں، اور مل جل کر اپنے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ پھر جماعت بے سود ہے اگر اس کا نظام نہ ہو اور کوئی سردار اور رہنما نہ ہو۔ تم پانچ آدمیوں کی بھی کوئی مجلس منعقد کرتے ہو، تو سب سے پہلے ایک پریسیڈنٹ کا انتخاب کرتے ہو اور کہتے ہو کہ جب تک کسی کو صدر مجلس نہ مان لیں گے، یہ پانچ آدمیوں کی مجلس بھی باقاعدہ کام نہ کر سکے گی۔ فوج ترتیب دیتے ہو تو دس آدمیوں کو بھی بغیر ایک افسر کے نہیں چھوڑتے۔ اس کی اطاعت ماتحتوں کے لیے فرض سمجھتے ہو اور یقین کرتے ہو کہ بغیر اس کے فوج کا نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ پانچ دس آدمی بھی بغیر امیر کے کام نہیں کر سکتے تو قومیں کیونکر اپنے فرائض بلا امیر کے انجام دے سکتی ہیں؟ ....

"ہجرت" کا لفظ کس قدر تمہارے لیے ناآشنا اور نامانوس ہے؟ تم سمجھتے ہو کہ یہ دنیا کے اس عہد جہل و وحشت کی یادگار ہے جب مذہبی جذبات کی برانگیختگی نے تمدنی احساسات کو مغلوب کر دیا تھا اور انسان دین پرستی کے جنون میں اپنی عقلی و تمدنی زندگی تک کو قربان کر دیتا تھا لیکن بتلاؤ، اب دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ علمی و تمدنی ترقیاں بھی تم کو جس راہ کی طرف بلا رہی ہیں وہ ہجرت کی حقیقت سے کب خالی ہیں؟ اور خود علم و تمدن کا تمام ذخیرۂ عروج بھی کس عملی حقیقت کا نتیجہ ہے؟ ہجرت سے مقصود یہ ہے کہ اعلیٰ مقاصد کی راہ میں کمتر فوائد کو قربان کر دینا، اور حصول مقصد کی راہ میں جو چیزیں حائل ہوں، ان سب کو ترک کر دینا۔ خواہ آرام و راحت ہو، مال و دولت ہو، نفسانی خواہشیں ہوں حتٰی کہ قوم ہو، ملک ہو، وطن ہو، اہل و عیال ہوں، سب کو چھوڑ دینا۔ پھر بتلاؤ، علم و عمل کا کون گوشہ ہے جس میں کامیابی بغیر اس جذبہ کے مل سکتی ہے؟ انسان کے مطلوبات میں سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ایسی بتلا سکتے ہو جو بلا ہجرت کے مقام سے گزرے اس نے پائی ہو؟ یہ دنیا کی علمی و تمدنی ترقیاں، حیرت انگیز اکتشافات، انقلاب انگیز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایجادت، دولت کی فراوانی، تجارت کی عالمگیری، نئی نئی آبادیوں کا قیام، طرح طرح کے وسائل معیشت و فلاح کا ظہور، پھر ملکوں کا عروج، قوموں کی بالادستی، تمدن کی وسعت، فی الحقیقت انسان کے کس عمل حق کے نتائج و ثمرات ہیں؟ اگر کج نظری چھوڑ دو تو معلوم کرلوگے کہ صرف عمل ہجرت کے..... یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اگر صرف قطب شمالی کی تحقیق کے لیے مہاجرین کشف کے ڈیڑھ سو قافلے یکے بعد دیگرے نکلیں اور یکسر قربان و ہلاک ہو جائیں تو تم کہو کہ یہ تحقیق علم کا کمال اور جذبہ نوع پرستی کی انتہا ہے لیکن اگر اسی چیز کو اللہ کی شریعت ایک جامع تر لفظ "ہجرت" سے تعبیر کرے تو تم اس کا انکار کر دو؟ تمہارے نزدیک یہ تو تمدن ہے کہ دریائے نیل کا مخرج دریافت کرنے کے لیے سینکڑوں انسان اپنا گھر بار چھوڑ دیں اور ہلاک ہو جائیں لیکن یہ وحشت ہے کہ قیام حق اور اشاعت صداقت کی راہ میں اللہ کے بندے ترک وطن کریں؟ اگر نیوٹن اپنی راتوں کی نیند اور بستر کی راحت چھوڑ دے تاکہ "کشش ثقل" کا قانون دریافت کرے، تو تم اس کی پرستش کرو اور کہو کہ یہ علم پرستی ہے لیکن اگر تم عزم و طلب کے ایسے ہی پرستار ہو تو اس عازم صادق کے لیے کیا کہتے ہو جو قانون کشش ثقل کے لیے نہیں، بلکہ قانون نجات عالم کے لیے اپنا گھر بار چھوڑ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ حق پرستی ہے......

جہاد کے معنی یہ ہیں کہ دفع اعداء میں اپنی جان و مال سے کمال درجہ سعی و محنت کرنا۔

کیا دنیا میں کوئی قوم، کوئی ملک، کوئی جماعت، کوئی قبیلہ، کوئی خاندان، کوئی گھر، کوئی انسان، بلکہ کوئی وجود اور زندگی بغیر "جہاد" کے زندہ و قائم رہ سکتی ہے؟ کون ہے جو زندہ رہنا چاہتا ہے اور جہاد نہیں کرتا؟ جس چیز کو تم ہزاروں ناموں اور لفظوں میں بولتے ہو اور کارزار ہستی میں بقاء و قیام کی اصلی بنیاد سمجھتے ہو، اسی کو اسلام نے ایک جامع لفظ "جہاد" سے تعبیر کیا ہے اگر تم سے ڈاروِن اور رسل ویلیس تنازع للبقاء (Struggle for Existence) اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انتخاب طبیعی Natural selection اور بقاء اصلح Survival of the fittest کا ذکر کرتے ہیں کہ اس کارزار حیات میں بقا صرف اصلح و امثل کے لیے ہے، تو تم پوری طرح کان دھرتے ہو، اور فطرت کے قتل کا افسانۂ خونیں تم کو پریشان خاطر نہیں کرتا لیکن اسی حقیقت کو قرآن و اسلام زیادہ مکمل شکل میں بیان کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ جو قانون الٰہی زمین کے کیڑوں مکوڑوں تک پر نافذ ہے، اس سے جمعیت بشری کیوں کر بری ہو سکتی ہے؟ پس دنیا میں اسی قوم کو باقی رہنا چاہیے جو حق و ہدایت کے اعتبار سے اصلح ہو۔ غیر اصلح عقائد و اعمال کو مٹ جانا چاہیے اور قانون الٰہی کا ہاتھ ان کو مٹا دینا چاہیے۔ ہدایت یافتہ اقوام کا یہ حق ہے کہ غیر ہدایت یافتہ قوموں پر غالب آئیں لیظھرہٗ علی الدین کلہ۔ پھر اس بات پر تم کیوں مضطرب ہوتے ہو؟ کیوں اس قدرتی قانون ہستی کے ذکر میں تم کو قتل و غارتگری کی دہشتناکی نظر آتی ہے؟ یورپ کی قومیں تمام دنیا کو اپنی نو آبادیوں سے بھر دیں اور کہیں کہ افریقہ کے وحشیوں کی جگہ ہم متمدن اقوام زیادہ خدا کی زمین کی حقدار ہیں، اس کو تو تم گوارا کر لو، لیکن اگر اسلام کہے کہ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ خدا کی زمین حق پرستوں کے لیے ہے، کفر و ضلالت کے پرستاروں کے لیے نہیں ہے، تو تم اس کو وحشت اور خونفشانی کہو؟

جاہلیت کی زندگی اور اسلام کی زندگی: یہاں ایک اور اہم اور قابل غور امر یہ ہے کہ اس حدیث اور نیز دیگر احادیث میں ہمیشہ جماعت اور اطاعت خلیفہ کی زندگی کو اسلامی زندگی قرار دیا ہے اور اس کے عکس کو جاہلیت "جاہلیت" کی زندگی میں ہلاکت کا حکم کیا تھا؟ قرآن نے واضح کیا ہے کہ تفرقہ اور باہم دگر علیحدگی، اور کسی مرکزی قوت کے ماتحت نہ ہونا۔ اسلام نے ظاہر ہو کر زندگی کی جو تخم ریزی کی وہ کیا تھی؟ باہمی اتحاد و ائتلاف۔ تمام منتشر افراد کو ایک متحدہ جماعت بنا کر نفس واحدہ کر دیا اور سب کے سر ایک ہی چوکھٹ پر جھکا دیے۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا۔

پس جاہلیت کا دوسرا نام تفرقہ ہوا اور اسلام کا دوسرا نام جماعت اور التزام جماعت۔ یہی وجہ ہے کہ تمام احادیث میں یہ حقیقت واضح کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ جو شخص جماعت اور اطاعت امام سے الگ ہو گیا گویا وہ اسلام سے خارج ہو گیا اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو اور اپنے کو مسلمان سمجھتا ہو۔

(حوالہ مذکور۔ صفحہ ۳۹ تا ۴۰)

مسلمانوں کے لیے ایک ہی راہ عمل

مسلمانوں کے لیے راہ عمل ہمیشہ سے ایک ہی رہی ہے اور ہمیشہ کی طرح اب بھی ایک ہی ہے، یعنی ہندوستان کے مسلمان اپنی جماعتی زندگی کی اس معصیت سے باز آجائیں جس میں ایک عرصہ سے مبتلا ہیں اور جس کی وجہ سے فوز و فلاح کے تمام دروازے ان پر بند ہو گئے ہیں۔

"جماعتی زندگی کی معصیت" سے مقصود یہ ہے کہ ان میں "ایک جماعت" بن کر رہنے کا شرعی نظام مفقود ہو گیا ہے۔ وہ بالکل اس گلے کی طرح ہیں جس کا انبوہ جنگل کی جھاڑیوں میں منتشر ہو کر گم ہو گیا ہو۔ وہ بسا اوقات یکجا اکٹھے ہو کر اپنی جماعتی قوت کی نمائش کرنی چاہتے ہیں، کمیٹیاں بناتے ہیں، کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں۔ لیکن یہ تمام اجتماعی نمائشیں شریعت میں جماعت کا حکم نہیں رکھتیں بھیڑ اور انبوہ کا حکم رکھتی ہیں "بھیڑ" اور "جماعت" میں فرق ہے۔ پہلی چیز بازاروں میں نظر آجاتی ہے، جب کوئی تماشہ ہو رہا ہو۔ دوسری چیز جمعہ کے دن مسجدوں میں دیکھی جا سکتی ہے جب ہزاروں انسانوں کی منظم و مرتب صفیں ایک مقصد، ایک جہت، ایک حالت، اور ایک ہی کے پیچھے مجتمع ہوتی ہیں۔ کوئی قوم اس نظام کو ترک کر دیتی ہے تو گو اس کے افراد فرداً فرداً کتنے ہی شخصی اعمال و طاعات میں سرگرم ہوں، لیکن یہ سرگرمیاں اس بارے میں کچھ سود مند نہیں ہو سکتیں۔ اور قوم جماعتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معصیت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

قرآن و سنت نے تبلایا ہے کہ شخصی زندگی کے معاصی کسی قوم کو یکایک برباد نہیں کر دیتے اشخاص کی معصیت کا زہر آہستہ آہستہ کام کرتا ہے، لیکن جماعتی زندگی کی معصیت کا تخم (دینی نظام جماعتی کا نہ ہونا) ایسا تخم ہلاکت ہے جو فوراً بربادی کا پھل لاتا ہے اور پوری قوم کی قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ شخصی اعمال کی اصلاح و درستگی بھی نظام اجتماعی کے قیام پر موقوف ہے۔ مسلمانان ہند جماعتی زندگی کی معصیت میں مبتلا ہیں اور جب جماعتی معصیت سب پر چھا گئی ہے تو افراد کی اصلاح کیونکر ہو سکتی ہے۔ ....

یہ وقت فصل کاٹنے کا تھا نہ کہ دانہ ڈالنے کا۔ لیکن مسلمانوں نے اپنی جدوجہد کی تمام گذشتہ زندگی گم گشتگی و بے حاصلی میں ضائع کر دی، حتیٰ کہ سچ مچ وہ وقت آگیا جس کی تباہیوں کا تخیل پیدا کر کے کبھی ڈرانے والے ڈرایا کرتے تھے فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ (۴۷:۲۱)۔ اب بھی اگر کام ہے تو یہی کام اور غم ہونا چاہیے تو اسی کا۔ سچے کام کرنے میں کتنی ہی دیر ہو جائے مگر جب کبھی کیا جائے سچائی ہے۔ اس کے لیے نہ تو کوئی وقت ناموافق ہے نہ کوئی جگہ مخالف۔ اس کے کرنے میں جس قدر دیر کی جائے گی، معصیت اور ہلاکی ہے لیکن جب کبھی کر دیا جائے سچائی اور نیکی ہے۔ اور اس کا ثمرہ زندگی اور کامرانی۔ .... تمہارا اصلی کام کوئی خاص مسئلہ اور کوئی خاص تحریک نہیں ہو سکتی۔ ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لیے صرف یہی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو مسلمان بننا چاہیے اور قوم و فرد دونوں اعتباروں سے اسلامی زندگی اختیار کر لینی چاہیے۔ اس ایک کام کے انجام پا جانے پر سارے کام خود بخود انجام پا جائیں گے۔ سوال حکومتوں کے نکل جانے کا نہیں ایمان کی گم گشتگی کا ہے

(حوالہ مذکور ص ۲۰۶ تا ۲۰۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(مولانا نے ۷ اسال پہلے مرض کی جو تشخیص فرمائی تھی، آج مریض کا حال بعینہٖ وہی ہے، یک سرِمو فرق
نہیں۔ پھر دین فطرت یا قانون فطرت کے مطابق اس کا صحیح علاج جو اُس وقت تجویز کیا گیا تھا،
آج کوئی نئی صورت حال ایسی پیش نہیں آگئی ہے جس سے وہ علاج صحیح نہ رہا ہو یا کوئی علاج اس سے
بہتر نکل آیا ہو۔ کرنے کا کام اس وقت بھی یہی تھا اور اب بھی یہی ہے جماعتی زندگی کی معصیت
میں مبتلا رہ کر مسلمان جدھر بھی قدم اٹھائیں گے ہلاکت ہی کی طرف جائیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ جب اس صحیح راہ عمل کی طرف دعوت دی گئی تھی اس وقت
کسی نے اسے قبول نہ کیا، اور یہ بھی درست ہے کہ آج بھی کوئی اس کی طرف توجہ کرتا نظر
نہیں آتا، مگر مقام دعوت و عزیمت (جس کی شرح و بیان کا حق مولانا نے اپنے "تذکرہ"
میں ادا فرمایا ہے) یہ نہیں ہے کہ جب راہ حق کی طرف بلانے میں کامیابی نہ ہو تو راہِ باطل کی
طرف دعوت دینا شروع کر دیا جائے، اور جب قوم بہشت کے راستے پر آنا قبول نہ کرے تو مایوس
ہو کر اس کو جہنم کی طرف دھکیل دیا جائے، بلکہ اس مقام بلند کا اقتضاء ہمیشہ سے یہی رہا ہے
اور اب بھی یہی ہے کہ آخری سانس تک صحیح راستہ کی طرف دعوت دیتے رہو، اپنی پوری قوت
اسی کی طرف قوم کو لانے میں صرف کر دو، تمام دنیا اگر منحرف ہو جائے، تب بھی اس راہ سے
ہٹنے کا خیال تک نہ کرو، حتّٰی کہ اسی پر جان دیدو، اور اس میں ناکام و نامراد مرجانے کو
غلط راستوں کی متاع غرور والی کامیابیوں پر ترجیح دو۔ ترجمان القرآن۔)

© rasailojaraid.com